(قسط: ۱)

اُصولِ بدعت

کتاب "اُصولِ دین" کا ایک باب

ترتیب: مولانا ڈاکٹر عبد الواحد صاحب

بدعت کا لغوی معنی

امام نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: کل شیٔ عمل علی غیر مثال سابق (یعنی ہر وہ چیز جو کسی سابق نمونے کے بغیر کی جائے) شرح مسلم

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں۔ وکذلک کل محدث قولا أو فعلا لم یتقدم فیہ متقدم فان العرب تسمیہ مبتدعا۔

ترجمہ۔ اور اسی طرح ہر وہ قول یا فعل جس کو پہلے کسی نے نہ کیا ہو اہلِ عرب اس کو بدعت کہتے ہیں۔

اسی سے بدیع کا لفظ بھی ہے اور بدیع السمٰوٰت والارض کا یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے بغیر کسی سابق مثال اور نمونے کے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔

بدعت کا شرعی معنی

علّامہ عینی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔ البدعۃ فی الاصل احداث امر لم یکن فی زمن رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم۔ بدعت اصل میں ایسی نو ایجاد چیز کو کہتے ہیں جو آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے زمانہ میں نہ تھی۔

علّامہ مرتضیٰ زبیدی کہتے ہیں۔ کل محدثۃ بدعۃ انما یرید ماخالف اصول الشریعۃ ولم یوافق السنۃ

کل محدثۃ بدعۃ (کی حدیث) کا معنی یہ ہے کہ جو چیز اُصول شریعت کے خلاف ہو اور

سُنّت کے موافق نہ ہو۔ غرض" بدعت ان چیزوں کو کہتے ہیں جن کی اصل شریعت سے ثابت نہ ہو، یعنی قرآن اور حدیث میں اس کا ثبوت نہ ملے اور رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم اور صحابہ کرام اور تابعین اور تبع تابعین کے زمانہ میں اس کا وجود نہ ہو اور اسے دین کا کام سمجھ کر کیا جائے یا چھوڑا جائے۔"
(تعلیم الاسلام حصّہ چہارم)

تنبیہ۔ بدعت کی تعریف میں دین کی قید ضروری ہے اور علم (عقیدہ) عمل اور حال سب اس میں شامل ہیں یعنی جو عقیدہ یا عمل یا حال کتاب و سنّت اجماع و قیاس شرعی کے تحت مندرج نہ ہو وہ بدعت ہے۔

اس بارے میں جو حدیث اصل ہے وہ یہ ہے آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا "من احدث فی امرنا هذا مالیس منه فهورد"

(ترجمہ: جس نے ہمارے دین میں ایسی بات ایجاد کی جو دین کی نہیں ہے تو وہ مردود ہے)

بدعت کی جو مختلف تعریفیں منقول ہیں ان میں تعارض نہیں محض عنوان کا اختلاف ہے

بدعت شرعی کی تعریف بعض نے یہ لکھی ہے کہ بدعت وہ محدث فی الدین ہے۔ (یعنی دین کے اندر نئی پیدا شدہ چیز ہے) جو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے زمانے میں موجود نہ ہو یعنی نہ تو قولاً نہ فعلاً نہ تقریراً اور نہ صراحتاً نہ اشارۃً۔ پس ظاہر ہے کہ جب نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کے دَور میں اس کے جواز کی کوئی شرعی دلیل موجود نہیں تو خلفائے راشدین، صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کے دَور میں دلیل جواز مفقود ہی رہے گی اور نتیجۃً ان کے ادوار میں اس شئے کا وجود خارجی بھی نہ ہوگا۔ بایں معنی کہ اس کا رواج ہو اور اس پر نکیر نہ ہو۔

اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کے دَور میں بالعموم اور خلفائے راشدین کے دَور میں بالخصوص جو بعض امور شائع اور ظاہر ہوئے۔ مثلاً جمعہ کی پہلی اذان اور تراویح کی نماز باجماعت مستقل طور سے اور فجر کی نماز کے لیے تثویب حالانکہ نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کے دَور میں اُن کا ظہور نہ ہوا تھا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کے دور ہی میں اُن کے جواز کی دلیل قائم تھی اور موجود تھی اور جب ضرورت پیش

آئی تو اسی دلیل کی بنا۔ پر ان کا وجود ظاہر میں واقع ہُوا۔

بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ کی تحقیق

اُوپر جو بدعت کے لغوی اور شرعی معنی تحریر ہُوئے ان سے معلوم ہُوا کہ

بدعت لغت میں امر جدید کو کہتے ہیں اور کتب شریعت میں جو اس لفظ کا استعمال ہوتا ہے تو

۱- کسی جگہ تو اس کے یہ معنی لیتے ہیں کہ جو امر نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کے بعد وجود میں آیا ہو خواہ وہ قابلِ تعریف ہو یا قابلِ مذمت ہو۔ یعنی اس کے جواز کی دلیل شرع میں موجود ہو یا نہ ہو۔ پس اس کی دو قسمیں کرتے ہیں۔ قسم اوّل قابلِ تعریف کہ جس کے جواز کی دلیل شرع میں موجود ہو۔ دوسری قسم قابلِ مذمّت کہ اس کے جواز کی دلیل شرع میں نہ ہو۔ پس قسم اوّل کو بدعت حسنہ نام دیتے ہیں اور اس کو سُنّت کے ساتھ ملحق جانتے ہیں اور دوسری قسم کو بدعت ضلالہ کہتے ہیں۔ بدعت کا یہ معنی عام ہے۔

۲- اور کسی جگہ بدعت کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ جو امر شریعت کے طریقہ کے خلاف ہو یعنی اس کے جواز کی دلیل شریعت میں نہ ہو۔ بدعت کا یہ معنی خاص ہے اور کتب شریعہ میں اسی سے بحث ہوتی ہے۔

یہ دونوں استعمال درست ہیں اور ان میں کسی کا اختلاف نہیں۔ صرف بیان کا فرق ہے مراد میں کوئی فرق نہیں۔ جو بدعت کو ہر حال میں قابل مذمّت کہتے ہیں وہ بدعت کا معنی خاص لیتے ہیں اور جو عُلماء حسنہ اور سیئہ کی تفریق کرتے ہیں۔ وہ معنی عام لیتے ہیں۔

بدعت و سُنّت کو پہچاننے کا ایک قاعدہ کلیہ

خیر القرون کے بعد جو چیزیں ایجاد کی گئی ہیں ان کی دو قسمیں ہیں۔

ایک تو وہ کہ ان کا سببِ داعی بھی جدید ہے اور اس پر ایک مامور بہ کو پُورا کرنا بھی موقوف ہے کہ بغیر اس کے اس مامور بہ پر عمل نہیں ہو سکتا ہے جیسے کتب دینیہ کی تصنیف اور تدوین، مدرسوں اور خانقاہوں کی تعمیر کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے زمانہ میں ان میں سے کوئی شئے نہ تھی۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ یہ سب کو معلوم ہے کہ دین کی حفاظت سب کے ذمّہ ضروری ہے

لیکن خیر القرون میں ان مذکورہ جدید ذرائع اور واسطوں کی ضرورت نہ تھی۔ کیونکہ تعلّق مع اللہ سے نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کی برکت سے مشرف تھے اور قوّت حافظہ اس قدر تھی کہ جو کچھ سُنتے تھے وہ سب نقش کالحجر ہوجاتا تھا۔ فہم بھی عالی تھا اور پرہیزگاری اور دینداری بھی غالب تھی۔ پھر وہ زمانہ آیا جس میں قوتیں کمزور ہونے لگیں۔ اہل ہوا اور عقل پرستوں کا غلبہ ہونے لگا اور دینداری مغلوب ہونے لگی۔ پس اس وقت عُلماء اُمّت کو دین کے ضائع ہونے کا قوی اندیشہ ہُوا اور دین کی حفاظت کی خاطر ضروری ہوا کہ دین کی تمام باتوں کی تدوین کی جائے، چنانچہ حدیث، اُصول حدیث، فقہ، اُصول فقہ اور تفسیر و عقائد میں کتابیں تصنیف ہُوئیں اور ان کی تدریس کے لیے مدارس تعمیر کیے گئے۔ پس یہ چیزیں وہ ہیں کہ اُن کا سبب خیر القرون میں موجود نہ تھا بلکہ بعد میں پیدا ہُوا۔ اور دین کی حفاظت جو کہ مامور بہ ہے وہ ان پر موقوف ہے۔ غرض یہ چیزیں اگرچہ جدید ہیں، لیکن واقعہ میں بدعت نہیں بلکہ حسب قاعدہ مقدمۃ الواجب واجبٌ (وہ شے جس پر کوئی واجب موقوف ہو خود بھی واجب ہوجاتی ہے) یہ چیزیں بھی خود واجب ہیں۔

دوسری قسم وہ چیزیں ہیں جن کا سبب قدیم ہے جیسے مروجہ محفل میلاد اور تیجہ دسواں چہلم وغیرہ کہ ان کا سبب قدیم ہے مثلاً مجلس میلاد کے منعقد کرنے کا سبب ولادت نبویہ پر خوشی کرنا ہے اور یہ سبب نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کے زمانہ میں بھی موجود تھا۔ لیکن نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم نے یا صحابہ نے مروجہ مجالس جیسی مجالس منعقد نہیں کیں۔ اگر سبب اس کا اس وقت نہ ہوتا تو البتّہ یہ کہہ سکتے تھے کہ اس کا منشا اس وقت موجود نہ تھا، لیکن جبکہ سبب اور مدار موجود تھا پھر کیا وجہ ہے کہ نہ نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم نے کبھی مجلس میلاد منعقد کی اور نہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے۔ ایسی چیزوں کا حکم یہ ہے کہ وہ صُورت اور معنی دونوں اعتبار سے بدعت ہیں اور حدیث من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منہ میں داخل ہوکر واجب الرد میں

بدعت کی صُورتیں

پہلی صُورت خود وہ شے اپنی ذات کے اعتبار سے ناجائز اور بدعت ہو۔

مثلاً بارہ ربیع الاوّل اور شب برات کے موقع پر چراغاں کرنا۔ تعزیہ بنانا اور نکالنا اور قبروں پر قبے بنانا وغیرہ۔ اور عقائد میں گمراہ فرقوں کے اہل سُنّت سے مختلف عقائد مثلاً معتزلہ کا عقیدہ کہ انسان

اپنے اعمال کا خود خالق ہے۔ ان کا یہ عقیدہ کہ آخرت میں رویت باری تعالیٰ ممکن نہیں اور یہ کہ مرتکب کبیرہ مُسلمان نہیں رہتا بدعات ہیں۔

دوسری صورت شے اصل کے اعتبار سے تو جائز ہو، لیکن اس میں اپنی طرف سے کسی وصف یا قید کا اضافہ کرنا یا اپنی طرف سے اوقات کے ساتھ متعیّن کرنا یا اس کے ساتھ شریعت کی طرف سے لگائی ہوئی قید کو نظر انداز کرنا یہ بھی بدعات میں شامل ہیں۔

۱- اپنی طرف سے کسی مطلق کو مقید کرنا اور مقید کو مطلق کرنا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا۔

لا تختصوا ليلة الجمعة بقيام من بين الليالى ولا تختصوا يوم الجمعة بصيام من بين الايام الا ان يكون فى صوم يصوم احدكم۔

ترجمہ: جمعہ کی رات کو دوسری راتوں سے نماز اور قیام کے لیے خاص نہ کرو اور جمعہ کے دن کو دوسرے دنوں سے روزہ کے لیے خاص نہ کرو۔ مگر ہاں اگر کوئی شخص روزے رکھتا ہے۔ (مثلاً ایام بیض یا پندرھویں شعبان کا روزہ رکھتا ہے) اور جمعہ کا دن بھی اس میں آجائے تو الگ بات ہے۔

چونکہ نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم نے جمعہ اور نماز جمعہ کے فضائل بہت سے بیان فرمائے تھے تو خدشہ تھا کہ کوئی اپنی رائے سے روزہ نماز جیسی بنیادی عبادت میں اپنی ایجاد نہ کر بیٹھے اس لیے خود آپ نے منع فرما دیا کہ جتنے امور جمعہ اور شب جمعہ میں ہم نے فرمائے وہی اس میں افضل وسُنّت ہیں۔ اگر کوئی اس پر قیاس و اضافہ کرے گا تو وہ مقبول نہ ہوگا۔ پس اس حدیث میں ارشاد ہوا کہ تم جمعہ اور شب جمعہ کو صوم وصلوٰۃ کے واسطے خاص نہ کرو کیونکہ نفلی صوم وصلوٰۃ تمام اوقات میں یکساں ہیں۔ کسی وقت کی خصوصیّت ہمارے حکم کے بغیر دُرست نہیں۔ پس مطلق کو مقید کرنے سے منع فرما دیا جیسا کہ جن جن کاموں کے واسطے جمعہ کو مخصوص کیا ہے مثلاً نماز جمعہ اور اس کے لوازمات میں جمعہ کی تخصیص اور قید کو نظر انداز کرنا اور اطلاق پر عمل کرنا اس کو بھی منع فرما دیا ہے کہ جمعہ کی نماز اور جمعہ کا خطبہ کسی اور دن نہیں ہو سکتا۔

لہٰذا صاف واضح ہوگیا کہ یوم جمعہ اور شب جمعہ کو اس عمل میں مقید کرنا جس میں وہ مطلق ہیں اور اس عمل میں مطلق بنانا جس میں وہ مقید ہیں دونوں ممنوع ہیں اور اس حدیث میں یہ حکم ہوگیا کہ ہمارے ارشاد کے موافق سب کام کرو اپنی رائے سے تبدّل وتغیّر مت کرو، البتّہ جس کو خود شارع مستثنٰی کردیں یا یں طور کہ وہ کسی دوسری حدیث سے ثابت ہوجائے تو وہ خود شارع کا حکم ہے وہ تبدل وتغیّر نہیں ہے۔

نیز لا تختصوا (خاص مت کرو) یہ بھی مطلق وارد ہوا ہے لہٰذا تخصیص خواہ اعتقاد وعلم میں ہو خواہ عمل میں دونوں ناجائز ہوں گی۔ لہٰذا یہ بھی ظاہر ہوگیا کہ قرآن وحدیث میں جو فعل مطلق ہو اس کو کسی وقت اور دن کے ساتھ مقید کرنا بدعت ہے اور جو قرآن و حدیث میں مقید وارد ہوا ہو پھر خواہ وہ عقیدہ ہو یا عمل ہو اس کو مطلق کرنا یعنی شریعت میں وارد اس کی قید کو نظرانداز کرنا بھی بدعت ہے چونکہ یہ قاعدہ اس حدیث سے وضاحت سے مستنبط ہے اس لیے امام نووی رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں۔

احتج به العلماء على كراهة هذه الصلوٰة المبتدعة التى تسمى الرغائب قاتل الله واضعها و مخترعها فانها بدعة منكرة من البدع التى هى الضلالة والجهالة

(علماء نے اسی حدیث سے نئی ایجاد کردہ صلوٰۃ رغائب کی کراہت پر استدلال کیا ہے۔ اللہ تعالےٰ اس کے ایجاد کرنے والے اور اس کو گھڑنے والے سے لڑے کیونکہ یہ ان بری بدعات میں سے ہے جو گمراہی اور جہالت ہیں) دیکھیے نماز جو کہ بہترین اور بنیادی عبادت ہے اور نماز کے تمام جائز اوقات میں افضل عبادت ہے۔ تخصیص کے سبب سے بدعت منکرہ ہوگئی کیونکہ جو اطلاق مشروع تھا وہ باقی نہ رہا وقت وغیرہ کی قید لگنے سے مخصوص ہوگیا تو اس قید کی وجہ سے پورا مقید بدعت بن گیا۔

امام غزالی رحمہ اللہ نے احیاء العلوم میں جو اس کی فضیلت لکھی ہے تو اس کی وجہ یہ ہوئی کہ ان کو اس نماز (رغائب) کی فضیلت میں حدیث ملی۔ انھوں نے اس حدیث کو صحیح جان کر عمل کیا اور یہ سمجھے کہ خود شارع نے اس کا استثناء فرمایا۔ لہٰذا وہ معذور ہیں کیونکہ انھوں نے جس قاعدہ کو لیا وہ بھی تسلیم شدہ ہے مگر فقہاء اور علماء حدیث نے اس حدیث کا موضوع اور من گھڑت ہونا ثابت کردیا۔ سو حقیقت میں امام غزالی رحمہ اللہ نے مذکور قاعدہ کلیہ کا خلاف نہیں کیا بلکہ حدیث کو صحیح سمجھنے میں ان سے

غلطی ہوئی اور بشر خطا سے خالی نہیں اور حدیث کو پرکھنا بھی ہر ایک کا فن نہیں اس باب میں محدّثین ہی کا قول معتبر ہوتا ہے۔

۲- امر مستحب کو غیر مشروع ہیئت کیساتھ ادا کرنا بدعت ہے

اللہ تعالیٰ کا ذکر اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود مستحب ہے، لیکن غیر مشروع ہیئت میں اس کو کرنا بدعت ہے۔ غیر مشروع ایک ہیئت یہ ہے کہ اجتماعی صورت میں اس طریقے سے کیا جائے کہ سب ذکر کرنے والے یہ التزام کریں کہ وہ سب ایک وقت میں ایک ہی ذکر کریں گے خواہ کسی کو امیر بنا کر یا اس کے بغیر اور خواہ جہراً ہو یا سرًّا ہو۔

عن ابی البختری قال اخبر رجل عبدالله بن مسعود ان قوما یجلسون فی المسجد بعد المغرب فیهم رجل یقول کبروا الله کذا وکذا وسبحوا الله کذا وکذا واحمدوا الله کذا وکذا قال عبدالله فیقولون ذلك ؟ قال نعم۔ قال فاذا رأیتهم فعلوا ذلك فاتنی فاخبرنی بمجلسهم قال فاتیته فاخبرته بمجلسهم فاتاهم وعلیه برنس له فجلس فلما سمع ما یقولون قام وکان رجلا حدیدا فقال انا عبدالله بن مسعود والله الذی لا الٰه غیره لقد جئتم ببدعة ظلماء او لقد فقتم اصحاب محمّد صلّی الله علیه وسلّم علمًا۔ فقالٌ احدهم متعذرا والله ماجئنا ببدعة ظلماء ولا فقنا اصحاب محمّد صلّی الله علیه وسلّم۔ فقال عمرو بن عتبة یا اباعبدالرحمن نستغفرالله قال علیکم بالطریق فالزموه فوالله لئن فعلتم لقد سبقتم سبقا بعیدا ولئن اخذتم یمینا و شمالا لتضلون ضلالا بعیدا۔ وفی روایة اخرجها الطبرانی فی الکبیر فقال عمرو بن عتبة بن فرقد استغفرالله یا ابن مسعود واتوب

الیہ فامرھم ان یتفرقوا (حیاۃ الصحابۃ ج ۳ ص ۲۴۷)

ابوالبختری سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو خبر دی کہ کچھ لوگ مغرب کے بعد مسجد میں بیٹھتے ہیں۔ ان میں سے ایک شخص کہتا ہے کہ اتنی مرتبہ تکبیر کہو اور اتنی مرتبہ تسبیح کہو اور اتنی مرتبہ تحمید کہو۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے پوچھا تو کیا وہ اسی طرح کہتے ہیں؟ اس شخص نے جواب دیا کہ جی ہاں۔ آپ نے فرمایا کہ اچھا جب تم ان کو ایسا کرتے دیکھو تو میرے پاس آکر مجھ کو ان کی مجلس کی خبر دینا۔ کہتے ہیں کہ میں نے آکر آپ کو ان کی مجلس کے انعقاد کی خبر دی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ برنس (ٹوپی والا لمبا کوٹ) پہنے ہوئے ان لوگوں کے پاس آئے اور بیٹھ گئے اور جب جو کچھ وہ کہہ رہے تھے اس کو سنا تو کھڑے ہوگئے اور وہ تیز فہم و سخت آدمی تھے اور کہا میں عبداللہ بن مسعود ہوں۔ خدائے وحدہ لاشریک لہ کی قسم تم نے یہ نہایت تاریک و سیاہ بدعت ایجاد کی ہے یا پھر تم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب سے علم میں بڑھ گئے ہو۔ ان میں سے ایک نے معذرت کے طور پر کہا کہ اللہ کی قسم نہ تو ہم نے تاریک و سیاہ بدعت ایجاد کی اور نہ ہی ہم علم میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب پر فائق ہوئے اور عمرو بن عتبہ نے کہا کہ اے ابوعبدالرحمٰن ہم اللہ سے استغفار کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا (تم صحابہ) کے طریقہ کو لازم پکڑو۔ اللہ کی قسم اگر تم نے اس جیسے کام کیے تو تم بہت پیچھے رہ جاؤ گے اور اگر تم نے دائیں یا بائیں کوئی راہ اختیار کی تو تم دور کی گمراہی میں پڑ جاؤ گے۔ طبرانی کی معجم کبیر کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ عمرو بن عتبہ نے کہا اے ابن مسعود میں اللہ کی بخشش طلب کرتا ہوں اور اس کی طرف توبہ کرتا ہوں تو آپ نے لوگوں کو متفرق ہونے کا حکم دیا۔

تسبیح تہلیل اور تحمید اذکار مسنونہ ہیں۔ مسجد میں ذکر کرنا بھی منع نہیں اور صحابہ کے دور میں مجالس ذکر بھی ہوتی تھیں، لیکن ان جائز چیزوں کے ساتھ جب یہ ہیئت ملی کہ اجتماع میں شریک سب لوگوں نے یہ التزام کیا کہ وہ سب

ایک ہی وقت میں ایک ہی ذکر کریں گے تو اس کی وجہ سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کو بدعت کہا۔

سنن دارمی میں یہ روایت ہے۔

"کنا نجلس علی باب عبداللہ بن مسعود قبل صلوٰۃ الغداۃ فاذا خرج مشینا معہ الی المسجد فجاءنا ابوموسی الاشعری فقال اخرج الیکم ابوعبدالرحمٰن بعد؟ قلنا لا - فجلس معنا حتی خرج - فلما خرج قمنا الیہ جمیعا فقال لہ ابوموسی یا ابا عبدالرحمٰن انی رایت فی المسجد اٰنفا امرا انکرتہ ولم أرَ والحمد للہ الا خیرا قال فما ھو فقال ان عشت فستراہ قال رأیت فی المسجد قوما حلقا جلوسا ینتظرون الصلاۃ فی کل حلقۃ رجل و فی ایدیھم حصا فیقول کبروا مائۃ فیکبرون مائۃ فیقول ھللوا مائۃ فیھللون مائۃ و یقول سبحوا مائۃ فیسبحون مائۃ قال فمازا قلت لھم قال ما قلت لھم شیئا انتظار رایك أو انتظار امرك قال افلا امرتھم ان یعدو سیئاتھم وضمنت لھم ان لا یضیع من حسناتھم - ثم مضی ومضینا معہ حتی أتی حلقۃ من تلك الحلق فوقف علیھم فقال ما ھذا الذی اراکم تصنعون قالوا یا اباعبدالرحمٰن حصیً نعد بہ التکبیر والتھلیل والتسبیح قال فعدوا سیئاتکم فانا ضامن ان لا یضیع من حسناتکم شئ و یحکم یا امۃ محمد ما اسرع ھلکتکم ھولاء صحابۃ نبیکم صلّی اللہ علیہ وسلّم متوافرون و ھذہ ثیابہ لم تبل و آنیتہ لم تکسر والذی نفسی بیدہ انکم لعلی ملۃ ھی اھدی من ملۃ محمد او مفتحوا باب ضلالۃ - قالوا واللہ یا ابا عبدالرحمٰن ما اردنا الا الخیر قال وکم من مرید للخیر لن یصیبہ ان رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم حدثنا ان قوما یقرؤن القرآن لا

یجاوز تراقیھم و ایم اللہ ما ادری لعل اکثرھم منکم ثم تولی عنھم۔
فقال عمرو رأینا عامۃ اولئک یطاعنونا یوم النھروان مع الخوارج۔

(سنن دارمی ج ۱ ص ۶۰)

فجر کی نماز سے پیشتر ہم عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے دروازے پر بیٹھ جاتے تھے اور جب وہ باہر نکلتے تھے تو اُن کے ساتھ مسجد پیدل جاتے تھے (ایک دن) ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ ہمارے پاس آئے اور پُوچھا کہ ابو عبدالرحمن (یعنی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ) تمہارے پاس باہر آتے ہیں؟ ہم نے کہا کہ نہیں تو وہ بھی ہمارے ساتھ بیٹھ گئے۔ جب عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ باہر نکلے تو ہم سب ان کی طرف کھڑے ہُوئے اور ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا اے ابو عبدالرحمٰن میں نے ابھی مسجد میں ایک ایسی بات دیکھی جو میں نے بُری سمجھی اور الحمدللہ میری رائے بھلائی ہی کی ہے۔ اُنھوں نے پُوچھا کہ وہ کیا بات ہے تو ابوموسی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ آپ کی زندگی رہی تو آپ اس کو عنقریب دیکھ لیں گے۔ میں نے مسجد میں لوگوں کو نماز کے انتظار میں حلقے بنائے بیٹھے دیکھا۔ لوگوں کے پاس کنکریاں ہیں اور ہر حلقہ میں ایک شخص کہتا ہے کہ سو مرتبہ تکبیر کہو تو لوگ سو مرتبہ تکبیر کہتے ہیں اور وہ کہتا ہے کہ سو مرتبہ لا الہ الا اللہ کہو تو لوگ سو مرتبہ یہ کلمہ کہتے ہیں اور وہ شخص کہتا ہے کہ سو مرتبہ سبحان اللہ کہو تو لوگ سو مرتبہ سبحان کہتے ہیں۔ اس پر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے پوچھا پھر آپ نے ان لوگوں کو کیا کہا؟ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ آپ کی رائے یا آپ کے حکم کے انتظار میں میں نے ان سے کچھ نہیں کہا۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آپ نے ان سے یہ کیوں نہ کہا کہ وہ اپنے گناہ شمار کریں اور آپ نے ان کو یہ ضمانت کیوں نہ دی کہ (اس صورت میں) ان کی کوئی نیکی ضائع نہ ہو گی۔ پھر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ چلے اور ہم آپ کے ساتھ چلے یہاں تک کہ وہ ان حلقوں میں سے ایک حلقہ کے پاس آئے اور وہاں کھڑے ہُوئے۔ پھر ان سے پُوچھا یہ میں تمہیں کیا کرتے دیکھ رہا ہوں اُنھوں نے جواب دیا کہ کنکریاں ہیں جن پر تکبیر تہلیل اور تسبیح کو شمار کر رہے

ہیں۔آپ نے فرمایا تم اپنے گناہوں کو شمار کرو اور میں ضمانت دیتا ہوں کہ تمہاری کوئی نیکی ضائع نہ ہوگی۔ اے اُمّتِ محمّد تم پر افسوس ہے کہ کتنی جلدی تمہاری بربادی ہے۔ تمہارے نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کے یہ صحابہ کثیر تعداد میں موجود ہیں اور آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے کپڑے ابھی بوسیدہ نہیں ہوئے اور آپ کے برتن ابھی نہیں ٹوٹے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے یا تو تم ایسی ملّت پر ہو جو محمّد صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ملّت سے زیادہ ہدایت یافتہ ہے اور یا تم لوگ گمراہی کا دروازہ کھولنے والے ہو۔ اُنھوں نے کہا اے ابوعبدالرحمٰن ہم نے تو فقط خیر کا ارادہ کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کتنے ہی خیر کا ارادہ کرنے والے ہیں جن کو خیر ہرگز حاصل نہیں ہوتی۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ہم سے بیان کیا تھا کہ کچھ لوگ قرآن پڑھیں گے، لیکن وہ ان کے حلق سے نیچے نہیں اُترے گا اور اللہ کی قسم میں نہیں جانتا شاید کہ ان کی اکثریت تم ہی لوگوں میں سے ہو۔ پھر آپ ان لوگوں کی طرف سے پھر گئے۔ عمرو بن سلمہ کہتے ہیں ہم نے دیکھا کہ ان حلقوں کی اکثریت خوارج کے ساتھ مل کر ہمارے خلاف جنگ نہروان میں لڑ رہی تھی۔

ذرا غور سے دیکھیں تو یہ واقعہ پہلے واقعہ سے بالکل مختلف ہے۔ پہلے واقعہ میں ذکر جہری کیا جا رہا تھا اور اس واقعہ میں سرًا ذکر کیا جا رہا تھا۔

اعلان

اُن حضرات کو ایک سال کے لیے مفت رسالہ جاری کیا جائے گا۔ جو رسالہ کے سات خریدار بنائیں گے۔ (ادارہ)

(قسط : ۲ ، آخری)

اُصولِ بدعت

کتاب "اُصولِ دین" کا ایک باب

ترتیب : مولانا ڈاکٹر عبدالواحد صاحب

۳۔ جو امر فی نفسہ ضرورت کے لیے مشروع ہو تو اس کو بلاضرورت کرنا یا اسکی حیثیت بڑھانا بدعت ہے

تثویب یعنی اذان کے بعد نماز کی اطلاع دینا اور اعلان کرنا یہ فی نفسہ ضرورت کے لیے مشروع ہے کیونکہ اذان کے بعد امامت سے پیشتر حضرت بلال رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع کرتے تھے، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جمعہ کی پہلی اذان قائم کی تھی۔ پھر صحابہ کے دَور کے بعد متقدمین علماء کوفہ میں فجر کی نماز کے لیے اذان کے بعد فجر کی نماز سے پیشتر ایک مرتبہ نماز کا اعلان کرنے کا رواج ہوا ، کیونکہ فجر کا وقت نیند اور غفلت کا وقت ہوتا ہے اور صحابہ کے دَور کی سی مستعدی و چستی نہ رہی تھی۔ بعد میں جب اور نمازوں میں بھی سستی ہونے لگی تو متاخرین نے مغرب کے علاوہ اور نمازوں میں بھی تثویب کو مستحسن قرار دیا۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کے دور میں لوگ مستعد تھے۔ فجر کی نماز میں بھی اذان میں شامل الصلوٰۃ خیر من النوم سے علیحدہ کسی تثویب کی ضرورت نہ تھی تو اور نمازوں میں کیوں ہوتی ؟ اس لیے اس دَور میں تثویب بلاضرورت ہونے کی بناء پر بدعت تھی۔ اسی وجہ سے یہ روایات ہیں۔

۱۔ روی ان علیا رضی اللہ عنہ رأی مؤذنا یثوب فی العشاء فقال اخرجوا ھذا المبتدع من المسجد (راہ سنت ۱۲۹)

روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک مؤذن کو عشاء کی نماز میں تثویب کرتے دیکھا

تو فرمایا کہ اس بدعتی کو مسجد سے نکال دو۔

۲۔ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک مسجد میں نماز پڑھنے کی غرض سے گیا۔ اذان ہو چکی تھی۔ ایک شخص نے تثویب شروع کر دی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے مجاہد سے فرمایا اخرج بنا من عند ھذا المبتدع ولم یصل فیہ (مجھے اس بدعتی کے ہاں سے لے چلو اور آپ نے اس مسجد میں نماز نہ پڑھی)

(راہ سنّت صفحہ ۱۲۹)

بعد میں جب سستی کی وجہ سے ضرورت پڑی تو متقدمین نے فجر کی نماز کے لیے اور متاخرین نے دیگر نمازوں کے لیے تثویب کو مستحسن سمجھا کیونکہ ان ادوار میں گھڑیاں موجود نہ تھیں اور لوگ نماز پڑھتے بھی تھے، لیکن غفلت و سستی کی وجہ سے جماعت کے لیے آنے میں تاخیر کرنے لگے جس سے یا تو جماعت میں تاخیر ہو یا جماعت سے نماز رہ جائے اس ضرورت کے پیشِ نظر تثویب اختیار کی، لیکن پھر جب کاہلی اور بڑھی کہ اذان کا کچھ اعتبار ہی نہ رہا اور تثویب کو اصل سمجھا جانے لگا کہ اذان سُن کر نماز کا قصد نہ کرتے بلکہ تثویب کے بعد نماز کا قصد و ارادہ کرتے تو چونکہ اب تثویب کو اس کی حیثیّت سے بڑھا دیا گیا تو یہ پھر بدعت ضلالہ ہو گئی اور ہمارے دَور میں اوّل تو گھڑیاں عام ہیں دوسرے اذان اور نماز کے درمیان بس اتنا وقفہ ہوتا ہے کہ آدمی استنجا وضو کر کے نماز میں شریک ہو سکے۔ زیادہ وقت نہیں ہوتا کہ آدمی اپنے آپ کو غفلت میں مُبتلا کر سکے۔ نیز جن لوگوں نے نماز پڑھنی ہے اُن کو فکر رہتی ہے اور بڑی اکثریّت جو نماز ہی سے غافل ہے تو اس کو تثویب سے کیا فائدہ ہوتا ہے۔ ان وجوہات کی بناء پر ہمارے دَور میں بھی تثویب کی کچھ ضرورت باقی نہیں رہی۔ اس لیے سوائے فجر کی نماز میں کہ اگر ایک مرتبہ مختصر ترین اعلان ہو تو گنجائش ہے ورنہ اور نمازوں کے لیے تو بدعت ہے۔

۴۔ مندوب و مستحب کو تداعی (ایک دوسرے کو دعوت دیکر) واہتمام کیساتھ کرنا بدعت ہے

شرح منیہ میں ہے۔

فالصلٰوۃ خیر موضوع مالم یلزم منھا ارتکاب کراھۃ۔ اعلم ان النفل بالجماعۃ علی سبیل التداعی مکروہ

نماز بُنیادی اور افضل و بہترین عبادت ہے لیکن اس سب کے باوجود تداعی و اہتمام کے سبب سے جو نفل نماز میں مشروع نہیں وہ بدعت بن جاتی ہے اور مکروہ ہے۔
مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مَیں اور عروہ بن زبیر دونوں مسجد میں داخل ہوئے۔

فاذا عبد اللہ بن عمر جالس الی حجرۃ عائشۃ والناس یصلون الضحی فی المسجد فسألناہ عن صلوٰتھم فقال بدعۃ۔

تو دیکھا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ کے پاس بیٹھے ہیں اور کچھ لوگ مسجد میں چاشت کی نماز پڑھ رہے ہیں۔ ہم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے ان لوگوں کی نماز کے بارے میں پوچھا تو اُنھوں نے فرمایا کہ یہ بدعت ہے۔ چاشت کی نماز صحیح اسانید کے ساتھ متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے، لیکن چونکہ آپ کے زمانہ میں اجتماعی ہئیت سے خاص اہتمام اس کیلیے نہیں ہوا کرتا تھا بلکہ جو شخص جہاں کہیں ہوتا وہ اپنی جگہ پر چاشت کی نماز پڑھ لیتا۔ علاوہ ازیں یہ نفلی نماز ہے جس کو گھر میں پڑھنے کی زیادہ فضیلت ہے۔ اس لیے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے جب لوگوں کو اس نماز کے لیے مسجدوں میں اجتماع اور خاص اہتمام کرتے دیکھا تو اُنھوں نے اس کو بدعت قرار دیا۔ اسی وجہ سے امام نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

مرادہ ان اظہارھا فی المسجد والاجتماع لھا ھو بدعۃ لا ان اصل صلوٰۃ الضحی بدعۃ۔

ان کی مراد یہ ہے کہ چاشت کی نماز کو مسجد میں ظاہر کرکے پڑھنا اور اس کے لیے اجتماع و اہتمام کرنا بدعت ہے۔ یہ مراد نہیں کہ چاشت کی نماز اصل ہی سے بدعت ہے اسی طرح ذکر مولود اور ایصالِ ثواب اصل میں مندوب ہیں، لیکن اگر ان میں تداعی اور اہتمام بھی شامل ہو جائیں تو مکروہ اور بدعت ہوں گے۔

۵۔ مباح یا مستحب کو واجب یا سُنّت مؤکدہ اعتقاد کرنا بدعت ہے

مباح یا مستحب پر مؤکدات کی طرح التزام کے ساتھ عمل کرنا بھی بدعت ہے

مولانا عبدالحیٔ لکھنوی رحمہ اللہ سعایہ میں لکھتے ہیں۔

قول ائمتنا یکرہ تعیین سورۃ للصلوٰۃ معناہ یکرہ تعیین المصلی من

عند نفسه شيئا من سور القران لان فيه التزام مالم يعهد فى الشرع التزامه۔ واذا كان التزام المستحب ونحوه يورث الكراهة فما ظنك بمداومة المباح ...... وعللوه بانه تشريك للعبد فى الاحكام والقاء المفسدة فى قلوب العوام.... فان من عين السورة لصلوٰة و داوم عليه بحيث لا يقرأ غيره فى حين من الاحيان لا شك ان يكون التزام مالم يلتزم و مورثا الى ظن العوام كونه ضروريا ...... نعم لو كانت المداومة على ذلك مورثا الى مفسدة احب ان يتركها كما رأينا فى مكة المعظمة.... ان الائمة الشافعية يداومون على قراءة الم تنزيل السجدة و سورة الدهر فى فجر كل جمعة ولا يتركونها احيانا و يورث ذلك الى مفاسد منها اعتقاد العوام وجوب ذلك مطلقا او فى مذهب الشافعية خصوصا.... ومن ههنا ظهر ان لا خلاف بيننا و بين الشافعية فى هذه المسئلة فانهم يكرهون التزام مالم يلتزم من جانب الشارع كما لا يخفى على من تتبع كتبهم۔ (سعایہ ج ۲ ص ۲۸۹)

ہمارے ائمہ کا قول کہ نماز کے لیے کسی سورت کی تعیین مکروہ ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ نمازی کا اپنی طرف سے قرآن کی کسی سورت کی تعیین مکروہ ہے کیونکہ اس میں ایسی چیز کا التزام (لازم کرنا) ہے جس کا شریعت میں التزام معلوم نہیں ہے اور جب مستحب وغیرہ کا التزام کراہت کا موجب ہوتا ہے تو مباح پر مداومت کے بارے میں تمہارا کیا گمان ہے؟ (یعنی وہ تو بطریق اولی موجبِ کراہت ہوگا)....فقہاء نے اس کی وجہ یہ بتائی ہے کہ اس میں ایک تو احکام کی تعیین میں بندے کو شریک کرنا ہے اور دوسرے اس میں لوگوں کو غلط عقیدے میں مبتلا کرنا ہے کہ وہ مباح یا مستحب کو واجب یا مؤکد اعتقاد کرنے لگتے ہیں کیونکہ اگر کوئی کسی نماز کے لیے سورت میں معین کرے اور اس پر اس طرح سے مداومت کرے کہ کبھی بھی اس سورت کے علاوہ کوئی اور سورت نہ پڑھے تو کوئی شک نہیں کہ یہ ایسی چیز کا التزام ہے جو شریعت میں لازم نہیں ہے اور اس کی وجہ سے عوام اس کو ضروری اور واجب

اعتقاد کرنے لگتے ہیں۔ ۔ ۔ ہاں اگر (جس مستحب پر نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے مداومت کی ہو) اس پر مداومت سے لوگوں میں خرابی پھیلتی ہو تو مداومت کو ترک کرنا بہتر ہے جیسا کہ ہم نے مکہ معظمہ میں دیکھا کہ شافعی امام ہر جمعہ کے دن فجر کی نماز میں سورہ الم سجدہ اور سورۂ دھر کے پڑھنے پر مداومت کرتے ہیں اور کبھی ان کا ترک نہیں کرتے تو اس سے کچھ خرابیاں وقوع میں آئیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ عوام جمعہ کی فجر میں ان سورتوں کے پڑھنے کو مطلقاً واجب سمجھنے لگے ورنہ کم ازکم شافعی مذہب میں واجب سمجھنے لگے۔ ۔ ۔ اس سے ظاہر ہُوا کہ ہمارے اور شافعیہ کے درمیان اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے کیونکہ وہ بھی ایسی چیز کا التزام مکروہ سمجھتے ہیں جس کا التزام شریعت نے نہیں کیا ہے۔ ۔ ۔

اس مسئلہ کا مزید بیان یہ ہے کہ نماز میں کوئی سورت مقرّر نہیں سب برابر ہیں، مگر جہاں شارع سے کسی سورت کی تخصیص ثابت ہُوئی ہو وہ مستحب ہے جیسا جمعہ کے دن فجر کی نماز میں سورہ سجدہ اور سورۂ دھر۔ بس جو سورت شارع سے ثابت ہوئی اس میں امام شافعی رحمہ اللہ تو دوام کو مستحب جانتے ہیں اور امام ابوحنیفہ کبھی کبھی چھوڑ کر مستحب اور دوام کو مکروہ فرماتے ہیں اور جس میں استحباب ثابت نہیں۔ اس میں بالاتفاق دوام مکروہ ہے۔ امام صاحب فرماتے ہیں کہ اس دوام میں پہلی شق میں تو مستحب مؤکد یا واجب ہوجاتا ہے اور دوسری شق میں مباح مؤکد یا واجب ہوجاتا ہے تو شرع کی حد متغیر ہُوئی۔ للہذا مکروہ ہے۔ ۔ ۔ اس جگہ طحاوی اور اسبیجابی نے یہ کہا ہے کہ کراہت تحریمہ جب ہے کہ اس صورت میں وجوب کا اعتقاد کرے اور ترک کو مکروہ جانے اور سہولت یا تبرک کے واسطے پڑھے تو مکروہ نہیں۔ بشرطیکہ کبھی کسی اور سورت کو بھی پڑھ لیا کرے۔ اس سے بھی یہی واضح ہُوا کہ اعتقادِ وجوب تو مکروہ تحریمہ ہے۔ بہی وجوب کے اعتقاد کے بغیر بھی دوام مکروہ ہے۔

۶۔ کفّار کے ساتھ مشابہت اگرچہ صرف ایک اعتبار سے ہو بدعت و مکروہ ہے

یہ ایک قاعدہ کلیہ ہے اور پُوری اُمّت میں مسلم ہے۔ اور اس کی اصل یہ حدیث ہے۔ من تشبہ بقوم فھو منھم (جو کسی قوم کے ساتھ مشابہت کرے اس کا شمار انہیں میں سے ہوگا۔)

اس حدیث میں تشبہ کا لفظ مطلق آیا ہے۔ یعنی اس کے ساتھ کل یا بعض کی اور قلیل یا کثیر کی کوئی قید نہیں ہے اور مسلّم قاعدہ ہے کہ مطلق جس فرد میں بھی پایا جائے مطلق کا حکم اس پر جاری ہوگا اور کوئی قید اس کے ساتھ لگانی دُرست نہیں۔ کہا گیا ہے۔ المطلق یجری علی اطلاقہ۔ لہٰذا مطلق تشبہ کا کوئی فرد ہو وہ حدیث کا مصداق بنے گا۔ اگرچہ وہ فرد خود مکمّل اور مستقل نہ ہو بلکہ کسی دوسری چیز کا فقط ایک جزو ہو۔ اس طرح سے وہ پُورا مجموعہ اور مرکّب مکروہ و بدعت بن جاتا ہے اس کی نظیر ہدایہ میں ہے۔

اذاقرء الامام من المصحف فسدت صلاتہ عند ابی حنیفۃ وقالا ھی تامۃ الا انہ یکرہ لانہ یشبہ صنع اھل الکتاب انتھی قال فی النھایۃ فانھم یصلون ھکذا فیکرہ للتشبہ لانا نھینا عن التشبہ بھم فیما لابد منہ انتھی

امام اگر مصحف میں دیکھ کر پڑھے تو ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس کی نماز باطل ہو جائے گی اور ابو یُوسف اور محمّد رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ نماز تو ہو جائے گی۔ البتّہ مکروہ ہوگی کیونکہ اس میں اہلِ کتاب کے عمل کے ساتھ مشابہت ہے انتھی نہایہ میں کہا وجہ یہ ہے کہ اہلِ کتاب اپنی نماز اسی طرح (یعنی کتاب میں سے پڑھ کر) ادا کرتے ہیں۔ لہٰذا تشبہ کی بنار پر مکروہ ہے کیونکہ جو چیزیں ناگزیر نہیں ہیں ان میں ہمیشہ ان سے تشبہ اختیار کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

ویکرہ ان یقوم الامام فی الطاق لانہ یشبہ صنیع اھل الکتاب ویکرہ ان یکون الامام وحدہ علی الدکان لما قلنا

امام کا اکیلے محراب کے اندر کھڑے ہونا مکروہ ہے، کیونکہ اس میں اہلِ کتاب کے طریقے کیساتھ مشابہت ہے اور اسی وجہ سے امام کا تنہا چبوترے پر کھڑا ہونا بھی مکروہ ہے۔

یہ دونوں روایتیں دیکھیے۔ نماز اور جماعت کے تمام ارکان و افعال میں سے صرف ایک جزو یعنی قرآن کھول کر پڑھنا اور بلند مقام پر کھڑے ہونا اہلِ کتاب سے تھا تو ساری نماز مکروہ ہوگئی۔

تنبیہ ۱؎ شارع کے مقرر کردہ فرائض و واجبات میں تشبہ کا اعتبار نہیں ہوتا اور حدیث میں اس کا اشارہ ہے کیونکہ تَشَبَّہَ کا لفظ باب تفعل کا ماضی ہے اور اسم موصول کے بعد واقع

ہے۔ اوّل تو باب تفعل میں از روئے لغت بتکلف ارتکاب کا معنی پایا جاتا ہے جس سے معلوم ہُوا کہ مرتکب نے بہ تکلف تشبہ والے کام کو کیا ہے۔ شریعت یا طبیعت کی طرف سے لازم نہیں کیا گیا تھا۔ دوسرے فعل حدوث پر دلالت کرتا ہے۔ یعنی اول شارع نے بندے پر لازم نہیں کیا تھا بلکہ وہ خود اس کا مرتکب اور موجد ہُوا ہے۔ پس تشبہ کے لفظ سے شارع نے فرض واجب وسُنّت مؤکدہ کو نیز امور طبیعیہ کو خارج کر دیا ہے اور ان میں تشبہ کا حکم نہیں لگایا جا سکتا۔

تنبیہ ۲ بحر رائق میں ہے کہ تشبہ حرام وہ ہے جو تشابہ کے قصد و نیت سے ہو۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اوّل تو کہا جاتا ہے کہ حدیث میں مطلق آیا ہے اور رائے سے حدیث کی تخصیص جائز نہیں، اور سب محققین نے تشبہ کو مطلق لکھا ہے لہٰذا بحر کا قول حدیث کے معارض نہیں ہو سکتا۔ نیز حدیث میں ہے غیروا الشیب لا تشبھوا بالیھود (بالوں کی سفیدی کو بدل دو اور یہود کے ساتھ مشابہت مت اختیار کرو) اور نظفوا افنیتکم ولا تشبھوا بالیھود (اپنے صحنوں کو صاف رکھو اور یہود کے ساتھ مشابہت نہ اختیار کرو) اور ظاہر ہے کہ بالوں کی سفیدی میں اور صحنوں کی گندگی میں کسی نے یہود مشابہت کا قصد نہیں کیا تھا بلکہ عادتاً ایسا ہوتا تھا۔

علاوہ ازیں بحر رائق کی مراد یہ ہے کہ تشبہ کے لفظ میں بہ تکلّف ارتکاب کا معنی پایا جاتا ہے۔ لہٰذا مرتکب کا قصد اور فعل ضروری ہے پس اس کی صورت یہ ہے کہ اگر کسی نے کوئی کام نادانستہ کیا اور پھر اس کو خبر ہُوئی کہ یہ کام فلاں قوم کا شعار اور طریقہ ہے تو اب اس کا ازالہ کرے اور آئندہ اس کو نہ کرے ورنہ علم ہونے کے بعد بھی کرے گا تو تشبہ ہوگا۔ پہلے یہ شخص تشبہ کرنے والا نہ تھا۔ اور اپنے فعل میں عاصی بھی نہ تھا۔ اب (بہ تکلف ارتکاب کی وجہ سے) جو قصد کرتا ہے تو تشبہ ہُوا۔ علیٰ ہذا جو کام ایسا ہے کہ اس کا ازالہ کر سکتا ہے مگر قصداً ازالہ نہ کیا جیسا بالوں کا خضاب (جو سیاہ نہ ہو) تو ترکِ خضاب قصداً کرتا ہے، کیونکہ ازالہ پر قادر ہے اور نہیں کرتا۔

بہر حال چونکہ سب جگہ معصیت کے لیے مکلف کا فعل ضروری ہے۔ لہٰذا معنی یہ ہُوئے کہ اس فعل تشبہ کا قصد کرے نہ یہ کہ اس فعل کو کفّار کے تشبہ کی نیت سے کرے۔

کھانے پر فاتحہ یا ختم پڑھنا یہ بدعت ہے کیونکہ اس میں ہندوؤں کے ساتھ تشبہ ثابت ہے اس لیے کہ تمام ہندوؤں میں یہ رسم ہے اور ان کا یہ شعار ہے کہ کھانے پر وید پڑھولتے ہیں۔ تحفۃ الہند میں ہے

"ہر سال جس تاریخ میں کوئی مرا اسی تاریخ ثواب پہنچاتے ہیں اور اس کو ضروری جانتے ہیں اور پنڈت اس کھانے پر وید پڑھتا ہے"۔

اسی طرح سوئم میں بھی ہندوؤں کے ساتھ مشابہت ہے۔ سوئم میں کلمہ پڑھا جاتا ہے۔ قرآن پڑھا جاتا ہے۔ ان میں تو تشبہ نہیں ہے۔ البتہ لوگوں کا اجتماع اور تیسرے دن کی تخصیص ان دو میں ہندوؤں کے ساتھ تشبہ ہے۔ کیونکہ اُن کے ہاں تیسرے روز جمع ہوکر سوگ کھلواتے ہیں اور یہ اُن کا شعار ہے۔ تو دو باتوں میں تشبہ ہُوا اور مرکّب کے ایک جزو میں بھی تشبہ ہو تو کل مرکّب بدعت بن جاتا ہے تو اس قاعدے سے سوئم کا مجموعہ بھی بدعت ہُوا۔

۷۔ مشروع عبادت پر اپنی طرف سے زیادتی کرنا بدعت ہے

(الف) نمازِ جنازہ سے فارغ ہوتے ہی جنازہ اُٹھا کر لے چلنے کا حکم ہے۔ نمازِ جنازہ کے بعد وہیں ٹھہر کر دُعا میں مشغول ہونا مکروہ و بدعت ہے جس کی ایک وجہ یہ بھی ہے۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔ ولا یدعو للمیت بعد صلوٰۃ الجنازۃ لانہ یشبہ الزیادۃ فی صلوٰۃ الجنازۃ (مرقات ج ۲ ص ۲۱۹)

نمازِ جنازہ کے بعد میّت کے لیے دُعا نہ کرے، کیونکہ یہ نماز میں زیادتی کے مشابہ ہے۔

اور مفتی سعد اللہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

"خالی از کراہت نیست زیرا کہ اکثر فقہاء بوجہ زیادہ بودن بر امر مسنون منع میکنند"۔

(فتاویٰ سعدیہ)

یہ کراہت سے خالی نہیں ہے کیونکہ اکثر حضرات فقہاء اس کو امر مسنون پر زائد ہونے کی وجہ سے منع کرتے ہیں۔

(ب) نافع رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں۔

ان رجلا عطس الی جنب ابن عمر فقال الحمد للہ والسلام علی رسول اللہ فقال ابن عمرو انا اقول الحمد للہ والسّلام علی رسول اللہ ولیس ھکذا علمنا رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم علمنا ان نقول الحمد للہ علی کل حال۔

(ترمذی ج ۲ ص ۹۸)

ایک شخص نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے پہلو میں چھینک ماری اور کہا الحمد للہ والسّلام علی رسول اللہ۔ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا اس کا تو میں بھی قائل ہوں۔ الحمد للہ والسلام علی رسول اللہ لیکن ہمیں رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اس کی تعلیم نہیں دی۔ ہمیں اس موقع پر یہ کہنا سکھایا ہے۔ الحمد للہ علی کل حال۔

اس واقعہ میں مذکورہ الفاظ کہنے سے روکنے کی وجہ یہ بیان کی کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اس موقع پر ہمیں صرف الحمد للہ کی تعلیم دی ہے اور والسلام علی رسول اللہ چونکہ اس پر زائد ہے اس لیے میں اس کو جائز نہیں سمجھتا۔ یہ حدیث اس امر کی دلیل ہے کہ جو بات شرع سے ثابت ہو اس پر زیادہ کرنا منع ہے۔

رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا ترک بھی سُنّت ہے اور اسکی مخالفت بدعت ہے

یہ کہنا کہ جس چیز کی نہی کتاب وسُنّت میں نہ ہو اس کا نکالنا اور کرنا بُرا نہیں ہے۔ قاعدے کے خلاف بات ہے۔ کیونکہ جس طرح رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا کسی کام کو کرنا سُنّت ہے اسی طرح کسی کام کو چھوڑنا بھی سُنّت ہے۔ لہٰذا آپ کے ترکِ فعل کا اتباع بھی سُنّت ہے اور اس کی مخالفت بدعت ہے، چنانچہ ایک حدیث میں ہے۔

ان اللہ یحب ان یؤتی رخصہ کما یحب ان یؤتی عزائمہ - (مرقات ج ۲ ص ۱۵)

اللہ تعالیٰ جیسے فرائض کی ادائیگی کو پسند کرتا ہے اسی طرح وہ اس کو بھی پسند کرتا ہے کہ اس کی رُخصتوں پر عمل کیا جائے۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

والمتابعۃ کما تکون فی الفعل یکون فی الترک ایضا فمن واظب علی فعل لم یفعلہ الشارع فھو مبتدع

متابعت جیسے فعل میں ہوتی ہے۔ اسی طرح ترک میں بھی ہوتی ہے۔ سو جس نے کسی ایسے کام پہ مداومت کی جو شارع نے نہیں کیا تو وہ بدعتی ہے۔ سیّد جمال الدّین محدّث رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

ترکہ صلّی اللہ علیہ وسلّم سنۃ کما ان فعلہ سنۃ

نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کا کسی چیز اور کام کو ترک کرنا بھی سُنّت ہے جیسا کہ آپ کا فعل سُنّت ہے۔
ان عبارتوں سے واضح ہوا کہ باوجود محرک اور سبب کے نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کا کسی کام کو نہ کرنا ایسا ہی سُنّت ہے جیسا کہ آپ کا کسی کام کو کرنا سُنّت ہے اور جو شخص دونوں میں سے کسی ایک کے اعتبار سے بھی عمل نہیں کرتا وہ بدعتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عبّاس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "دُعا میں سجع سے بچو کیونکہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم اور آپ کے صحابہ دُعا میں سجع نہیں کیا کرتے تھے۔" (صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۳۸)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں

ان رفعکم ایدیکم بدعۃ مازاد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم علیٰ ھذا یعنی الی الصدر (مسند احمد ج ۲ ص ۶۱)

تمہارا (اس طرح) ہاتھ اُٹھانا بدعت ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے سینہ سے اُوپر ہاتھ نہیں اُٹھائے۔ (یعنی عام دعاؤں میں) حضرت عمارہ بن رویبہ نے بشر بن مروان کو منبر پر تقریر کے دوران دونوں ہاتھ اُٹھاتے دیکھا تو یُوں فرمایا

قَبَّحَ اللہ ھاتین الیدین لقد رأیت رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم مایزید علی ان یقول ھکذا بیدہ واشار باصبعہ المسبحۃ اللہ تعالیٰ ان دونوں ہاتھوں کا ناس کرے میں نے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو اشارہ کی اُنگلی سے زیادہ اُٹھاتے ہُوئے نہیں دیکھا (اور یہ دونوں ہاتھ اُٹھا رہا ہے)۔

ایک موقع پر صاحبِ ہدایہ لکھتے ہیں۔

ودلیل الکراھۃ انہ علیہ السّلام لم یزد علی ذٰلک ولولا الکراھۃ لزاد تعلیما للجواز کراہت کی دلیل یہ ہے کہ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم سے اس سے زائد منقول نہیں۔ اگر کراہت نہ ہوتی تو آپ تعلیم جواز کے لیے زیادہ بھی کر دیتے۔

اسی طرح ایک اور موقع پر ہدایہ میں ہے۔

ولا یُتَنَفَّلُ فی المصلی قبل صلاۃ العید لان النبی صلّی اللہ علیہ وسلّم لم یفعل ذٰلک مع حرصہ علی الصلاۃ ثم قیل الکراھۃ فی المصلی خاصۃ وقیل فیہ وفی غیرہ

عامۃ" لانہ صلی اللہ علیہ وسلم یفعلہ (ج ۱ ص ۱۵۳)

اور عید گاہ میں نماز عید سے پہلے نفل نماز نہ پڑھی جائے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ نے باوجود نماز پر حریص ہونے کے ایسا نہیں کیا۔ پھر اس میں اختلاف ہے کہ یہ کراہت عید گاہ کے ساتھ خاص ہے یہ بھی کہا گیا ہے کہ عید گاہ اور غیر عید گاہ دونوں میں کراہت ہوگی۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عید گاہ و غیر عید گاہ دونوں میں نماز نہیں پڑھی۔

جب کسی چیز کے سُنّت اور بدعت (یعنی شرعی دلیل سے جائز و ناجائز) ہونے میں کسی کو تردّد و اشتباہ ہو تو کیا کرنا چاہیے

۱۔ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

الحلال بین والحرام بین وما بینھما مشتبھات لا یعلمھا کثیر من الناس فمن اتقی الشبھات استبرأ لدینہ وعرضہ ومن وقع فی الشبھات وقع فی الحرام کالراعی حول الحمی یوشک ان یرتع فیہ۔ (بخاری ج ۱ ص ۱۳)

حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے۔ ان دونوں کے درمیان کچھ چیزیں مشتبہ ہیں۔ ان کو بہت سے لوگ نہیں جانتے سو جو شخص ان مشتبہات سے بچا تو اس نے اپنا دین اور عزت بچالی اور جو مشتبہات میں جا پڑا (تو گویا) وہ حرام میں جا پڑا جیسے چراگاہ کے اردگرد جانوروں کو چرانے والا قریب ہے کہ چراگاہ میں جا پڑے۔

اس حدیث میں تردد اور اشتباہ والے کاموں سے بچنے کا صریح حکم ارشاد فرمایا۔ یہی حکم ایک اور حدیث میں ہے۔

۲۔ دع ما یریبک الی ما لا یریبک فان الخیر طمانینۃ وان الشر ریبۃ

وہ چیز چھوڑ دے جو تجھے تردّد اور اشتباہ میں ڈالے اور ایسی چیز اختیار کر جو تیرے لیے باعثِ تردّد نہ ہو۔ کیونکہ خیر باعث اطمینان اور شر باعث شک ہوتا ہے۔

۳۔ علامہ برکلی حنفی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

اعلم ان فعل البدعۃ اشد ضررا من ترک السنۃ بدلیل ان الفقھا قالوا اذا تردد الحکم

فی شیٔ بین کونہ سنۃ و بدعۃ فترکہ لازم

جان لو کہ بدعت کا کام کرنا ترک سُنّت سے زیادہ نقصان دہ ہے۔ دلیل یہ ہے کہ فقہاء نے فرمایا ہے کہ جب کوئی حکم سُنّت اور بدعت کے درمیان دائر ہو تو اس کا ترک کرنا ہی ضروری ہوگا۔

۴۔ فتاوی عالمگیری میں ہے۔

وما تردد بین البدعۃ والسنۃ یترک جو چیز سُنّت و بدعت کے درمیان دائر ہو وہ چھوڑ دی جائے گی۔

۵۔ علامہ شامی رحمہ اللہ لکھتے ہیں :

اذا تردد الحکم بین سنۃ و بدعۃ کان ترک السنۃ راجحا علی فعل البدعۃ

جب حکم سُنّت اور بدعت کے درمیان دائر ہو تو سُنّت کا ترک کرنا بدعت کو کرنے پر مقدم ہوگا۔

اسکا مطلب یہ ہے کہ اس کام کو نہ کرے کیونکہ نہ کرنے میں زیادہ سے زیادہ ترک سُنّت ہوگا جبکہ اگر وہ بدعت ہوا تو کرنے میں بدعت کا ارتکاب ہو جائے گا۔ ایسی صورت میں اس کام کو نہ کرنے کو ترجیح حاصل ہے کیونکہ بدعت کے کرنے کے مقابلے میں ترک سُنّت کو ترجیح ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ بدعت انتہائی مذموم چیز ہے کیونکہ بدعت کی حقیقت کا خلاصہ ہے غیر شریعت کو شریعت بنانا اور جبکہ شریعت کا من جانب اللہ ہونا ضروری اور لازم ہے تو یہ شخص ایسے کام کو جو من جانب اللہ نہیں ہے اپنے اعتقاد میں اللہ کی جانب سے بناتا ہے جس کا حاصل اللہ تعالیٰ پر افتراء ہے اور ایک گونہ دعوی نبوت ہے۔ اس شناعت کے عظیم ہونے کی وجہ سے اگر اس سے اجتناب کو ترجیح حاصل ہو تو تعجب نہیں۔

بدعت کے چند نتائج

۱۔ سُنّت سے محرومی

حضرت غضیف بن حارث ثمالی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

ما احدث قوم بدعۃ الا رفع مثلھا من السنۃ فتمسک بسنۃ خیر من احداث بدعۃ

کوئی قوم بدعت ایجاد نہیں کرتی، مگر اس کے بقدر سُنّت ان سے اُٹھالی جاتی ہے۔ سو سُنّت کو مضبوطی سے پکڑنا بدعت ایجاد کرنے سے بہتر ہے۔

حضرت حسان تابعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

ما ابتدع قوم فی دینھم الا نزع اللّٰہ من سنتھم مثلھا ثم لا یعیدھا ذلك الی یوم القیامة

کوئی قوم دین میں بدعت نہیں نکالتی مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اتنی ہی مقدار میں سُنّت ان سے اُٹھا لیتا ہے اور پھر قیامت تک ان کو وہ سُنّت واپس نہ دے گا۔

۲۔ یہ اسلام کو ڈھانا ہے۔

حدیث میں ہے۔ من وقر صاحب بدعة فقد اعان علی ھدم الاسلام

جس شخص نے بدعتی کی توقیر کی اس نے اسلام کو ڈھانے میں مدد دی۔

مطلب یہ ہوا کہ بدعتی اسلام کو اپنی بدعت کے ذریعے سے ڈھا رہا ہے۔ اور توقیر کرنے والا اس کی ہمّت بندھا کر اس ڈھانے میں مدد دے رہا ہے۔

۳۔ مُسلمانوں کی توقیر و اکرام سے محرومی

یہ حدیث کہ "جس شخص نے بدعتی کی توقیر کی اس نے اسلام کو ڈھانے میں مدد دی" سے مُسلمانوں کو بدعتی کی توقیر کرنے سے منع کر دیا گیا۔

تحریک اصلاح معاشرہ پاکستان کا پیغام
دنیا کے تمام والدین کے نام

★ کیا آپ نے اپنے بچوں کو اللہ تعالیٰ کے احکامات و ممنوعات کے بارے میں بتا دیا ہے؟
★ کیا آپ نے اپنے بچوں کو اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ اور ناپسندیدہ کاموں کے بارے میں بتا دیا ہے؟
★ کیا آپ نے اپنے بچوں کو رسول ﷺ کی تعلیمات کے عین مطابق زندگی بسر کرنے کا پابند بنا دیا ہے؟
★ کیا آپ نے اپنے بچوں کو نیکی و بدی میں فرق سے آگاہ کر دیا ہے؟
★ کیا آپ نے اپنے بچوں کو حلال روزی کے فوائد اور حرام کمائی کے نقصانات سے آگاہ کر دیا ہے؟
★ کیا آپ نے اپنے بچوں کو ناانصافی، دوسروں کی حق تلفی، دوسروں کے مال پر نگاہ رکھنے، دوسروں کی تذلیل کرنے اور دوسروں پر ظلم و جبر کرنے جیسے گناہوں سے باز رہنے کے لئے تیار کر دیا ہے؟
★ کیا آپ نے اپنے بچوں کو حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا کرنے کی برکتوں سے آگاہ کر دیا ہے؟
★ کیا آپ نے اپنے بچوں کو نفسانی خواہشوں، عریانی، فحاشی اور بے حیائی جیسی لعنتوں کے نقصانات سے آگاہ کر دیا ہے؟
★ کیا آپ نے اپنے بچوں کو آخرت کی ابدی نعمتوں کے بارے میں آگاہ کر دیا ہے؟
★ کیا آپ نے اپنے بچوں کو جہنم کے دردناک عذاب سے بچنے کے گر سکھا دیئے ہیں؟

اگر آپ نے اب تک ان باتوں سے غفلت کی ہے تو فوراً یہ تمام تعلیمات اپنے بچوں تک پہنچائیں، اپنی ذمہ داری نبھائیں، اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے دنیاوی معاشرہ کو سنوارنے میں اپنا کردار ادا کریں اور اپنی اور اپنے بچوں کی آخرت کو سنواریں۔

تحریک اصلاح معاشرہ پاکستان۔ پوسٹ بکس نمبر 6216 لاہور